۷۸۶

تیسرا مرثیہ

در حال حضرت علی اکبر علیہ السلام

بند ۱۴۳

مطلع

جواں ہوئے علی اکبرؑ جہاں سے جانے کو — غضب سے بھیگیں مسیں خون میں نہانے کو
بڑھائی زلف بلائے فراق لانے کو — ہنسی بھی پیاری ہوئی باپ کے رُلانے کو

شروعِ رغبتِ دل برچھیوں کے پھل سے ہوئی
ظہورِ خط جو ہوا رسمِ خطِ اجل سے ہوئی

بڑھا یہ حسن ہوئے مثلِ احمدِ مختار — قوی قوی ہوئے مانندِ حیدرِ کرار
حسنؑ کا خُلق ملا اور حسینؑ کی گفتار — شکوہ میں ہوئے ہمتائے جعفرِ طیار

جمالِ پاک پہ ہر اک درود پڑھنے گا
خوشی سے باپ کا دل قد کے ساتھ بڑھنے لگا

نئے جواں جو ہیں رخسار ہیں گلِ تازہ — ہے ان کی خاک قدم روئے حور کا غازہ
نظر کا تار کتابِ خدا کا شیرازہ — ہوا کشی میں اذاں کا جہاں میں آوازہ

اذاں کا انکی خوشی آوازوں میں ہے

عرب کے سب فصحا آ کے پاؤں پڑتے ہیں
سخن کا رنگ یہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں

جبیں کے آئینے میں صاف کبریا کی شان کشیدہ ابروؤں پر ماں کا دل ہوا قربان
وہ آنکھیں جن سے رکھے چشم لطف ہر انسان عجب وہ پھول سی بینی ریاض خلد کی جاں
ہر اک حسین جہاں حسن میں غلام ہوا
کہ ان کا یوسف آل رسولؐ نام ہوا

بڑھائے نبت ید اللہ نے ان کے طوق ادھر بگڑ کے ماں سے اتروائے کان کے گوہر
دعا کے شوق میں کس کس کے باندھتے تھے کمر پدر سے لی تھی بڑی منتوں سے تیغ و سپر
محل سے جب شہ کون و مکاں نکلتے تھے
یہ ذوالفقار علیؑ ساتھ لے کے چلتے تھے

بلائیں لیتی ہے چہرے کی زلف عنبر بو سفیدۂ سحر عید ہے بیاض گلو
ہزار آئینے صدقے وہ باصفا پہلو بھرے ہیں زور علیؑ سے پھرے پھرے بازو
حسد کا نام بھی جس میں نہیں وہ سینہ ہے
فدا ہے جس پہ دل شاہ دیں وہ سینہ ہے

ہیں سب کی آنکھوں کے تارے سبھوں کے راحت جاں حدیث سے بھی خبردار حافظ قرآں
نماز شب کے بھی پابند خوب مسئلہ داں ستارہ چاند سے ماتھے پہ سجدہ کا نشاں
عیاں تمام قیافہ شہ رسالت کا
رگوں میں خون کی جا مادہ امامت کا

ہلایا نیزہ کہ کامل عرب کے ہو گئے دنگ ہوا ہر اک لب معشوق جب لگائے خدنگ
جو تیغ میان سے کھینچی ہوئی یہ دل کو امنگ کہ جبرئیل کے ہوں تیں پر تو ہوں چو رنگ
جہاں میں قوت شیر خدا کا شور ہوا
یہی بڑھے رہے جب ہمسنوں میں زور ہوا

۹ خدا کے شیر کے پنجے، کلائیاں بھی وہی وہ ناخن ایک سے، عقدہ کشائیاں بھی وہی
وہی کمال بھی، معجز نمائیاں بھی وہی صفائیاں وہی، تیغ آزمائیاں بھی وہی
وہی طریق ہیں سب اُن کے اس نشانی میں
جو حال تھا اسد اللہ کا جوانی میں

۱۰ کبھی یہ حضرتِ عباسؑ سے ہے استفسار لڑے ہیں آپ تو ہمراہ حیدرِ کرار
ہمیں بتائیے چلتی ہے کس طرح تلوار وہ کہتے ہیں کہ تمھیں کام کیا چچا ہو نثار
عوض تمھارے بھگائے گا فوجِ ناری کو
یہ جاں نثار تو حاضر ہے جاں نثاری کو

۱۱ طریق جنگ و جدل کے چچا سکھانے لگے ہر ایک کو قدر اندازیاں دکھانے لگے
ہوا جو رشکِ دلِ اعدا کے زخم کھانے لگے ریاض جتنے کیے تھے وہ سب ٹھکانے لگے
اُمنگ دل کی جوانی کے ساتھ بڑھنے لگی
کمان کھنچنے لگی آستین چڑھنے لگی

۱۲ جب آ کے بیٹھتے تھے مسندِ حسینؑ کے پاس تو دیکھ دیکھ کے ہنستے تھے شاہ نیک اساس
وہی رسولؐ کی صورت اُسی طرح کا لباس خیال رہتا تھا انصار کو یہ ہوں نہ اُداس
محبتِ دیرینہ کا جو چلتا تھا
حبیب کرتے تھے باتیں تو جی بہلتا تھا

۱۳ کبھی جو ہوتے تھے کچھ رازِ کربلا کے بیاں تو آپ کہتے تھے ہوں گے نثارِ شاہِ زماں
پدر ہیں پیر تو ہم کس لیے ہوئے ہیں جواں یہ سن کے کہتے تھے ہاں میرے شاہزادے ہاں
رسولِ پاک کے پیاروں کا ہے نشان یہی
حضور کے ہے گھرانے کی آن بان یہی

پدر کے ساتھ جو باہر سے آتے تھے اندر نظر لگے نہ مری، دل میں کہتی تھی مادر
نگہ نہ کرتے تھے اونچی جھکائے رہتے سر کمر سے آ کے لپٹتی تھیں بہنیں ہنس ہنس کر
بٹھا کے پاس جو زلفِ رسا سنوارتی تھیں
بلائیں لے کے پھوپھی سر سے سر اتارتی تھیں

سکینہ، حضرتِ صغرا، رقیہ و کبریٰ یہ چاروں بیٹھتی کبھی مل کے کرتی تھیں ثنا
یہ چاہتے تھے کہ ہو ایک سے نہ ایک خفا کسی سے ان کو محبت نہ کم تھی اور نہ سوا
سبھوں کو چاہتے تھے سب کے یہ رضا جو تھے
اسی سبب سے تو چہرے پہ چار گیسو تھے

جو پوچھتی تھیں کبھی بانوئے امامِ زماں یہ کیا سبب ہے کہ ہوتا ہے جنگ کا ساماں
تو عرض کرتے تھے یہ دست بستہ اے اماں تمام اہلِ جہاں ہیں عدوئے شاہِ زماں
عوض میں شاہ کے شمشیر و تیر کھائیں گے
لہو پدر کے پسینے پہ ہم گرائیں گے

وہ کہتی تھیں کہ مرے وضعدار کیا کہنا سپاہیوں کو جراحت ہے پھولوں کا گہنا
اُمید دل کی بر آنا ہے خون کا بہنا ہمیشہ سینہ سپر آگے باپ کے رہنا
جو تم نے پائی ہے دولت وہ کس نے پائی ہے
یہ بات وہ ہے جو کُنبے میں ہوتی آئی ہے

نبیؐ کے سینہ سپر تھے تمہارے دادا جان وہ ایک سمت تھے اور اک طرف تمام جہان
پئے رضائے خدا زخم کھائے یوں انسان خبر نہ ہوتی تھی ہمراہیوں کو کانوں کان
دلاورانِ عرب ڈر سے غل مچاتے تھے
جو لڑنے جاتے تھے وہ صف اُلٹ کے آتے تھے

۱۹ تمھارے چھوٹے چچا اُن کے ہیں قدم بہ قدم وہ تم سے کم نہیں شہ کو تمھارے سر کی قسم
علیؑ کو دیتے تھے اکثر نشاں شفیع اُمم اور اپنی فوج کا شبیرؑ ان کو دیں گے علم
پدر کے باعث اقبال و اوج تم ہو گے
میں سن چکی ہوں کہ سردار فوج تم ہو گے

۲۰ یہ سُن کے شاد ہوئے دل میں اکبرِ ذی جاہ کہا کب آئے گا وہ دن بتائیے للّٰہ
لگیں وہ کہنے بہت جلد میرے نورِ نگاہ یہ آرزو ہے کہ پہلے کریں تمھارا بیاہ
کوئی پسر ہو یہ مطلب دلی ہمارا ہے
یہ نام ہو کہ شبیرِ نبیؐ کا پیارا ہے

۲۱ غرض یونہی رہے اکثر بیانِ مہر و وفا دن آئے وہ کہ وطن سے سفر سبھوں کا ہوا
حسینؑ گھر گئے آکر میانِ دشتِ بلا ہم کو ماہِ محرّم کی حشر تھا برپا
عزیز و دوست فدا شہ پہ ہوتے جاتے تھے
اور آپ لاشے اُٹھاتے تھے روتے جاتے تھے

۲۲ پھرے جو لاشۂ عباسؑ سے امامِ انام قدم پہ گر کے لگے رونے اکبرِ گلفام
کہا حسینؑ نے کیوں کیا ہے میرے گل اندام یہ جان تک ہے نثار آئے گر تمھارے کام
وطن سے دُور ہوں آفت نصیب ہوں بیٹا
جہاں کا شاہ ہوں اور یوں غریب ہوں بیٹا

۲۳ کہا اُنھوں نے کہ ہیں آپ صاحبِ ہمت میں چاہتا ہوں کہ اب مجھ کو دیجیے رخصت
تڑپ رہا ہوں پئے سیرِ گلشنِ جنت رہی نہ تاب جو دل کو تو بول اُٹھے حضرت
خیالِ مرگ تو اے میرے لال ہے تم کو
پدر ضعیف ہے یہ بھی خیال ہے تم کو

قبول ہے میرا مرنا تو جائے اچھا چھ لاکھ فوجِ ستم اور میں تنِ تنہا
ان آفتوں میں مجھے چھوڑے جاتے ہو بیٹا جہاں میں رسمِ محبت یہی ہے کیوں بابا
کوئی معین نہیں ہے کسی کی آس نہیں
اُمید کس کی رکھیں اب تو کوئی پاس نہیں

اُٹھا کے شہ نے گلے سے لگایا چومی جبیں بن آئی جب نہ کوئی بات روئے سر پر دیں
یہ سوچ سوچ کے رہ جاتے تھے امامِ مُبیں صلاح کس سے کروں کون دل کو دے تسکیں
ملال میں طرفِ نہر مُنہ کیا شہ نے
اک آہ کر کے یہ بھائی کو دی صدا شہ نے

ہمیں ہے نزع بس اب دم قلق سے توڑتے ہیں تم آؤ جلد کہ یہ مُنہ پدر سے موڑتے ہیں
ستم ہے پاؤں پہ گرتے ہیں ہاتھ جوڑتے ہیں غضب ہے علی اکبرؑ بھی ساتھ چھوڑتے ہیں
چلی بہار، خزاں اب چمن میں آتی ہے
انھیں خبر نہیں یاں جان نکلی جاتی ہے

یہ کہہ کے شاہ پہ حالت ہوئی عجب طاری کہ جس کو کہہ سکیں بیہوشی اور نہ ہشیاری
جھکا ہوا تھا سر آنکھوں سے اشک تھے جاری زباں سے کہہ رہے تھے وائے میری ناداری
فراغ عالمِ غش میں بھی تھا نہ اس غم سے
کہ بے خبر نہیں ہوتا امام عالم سے

ہوئے خموش جو شہ، بولے اکبرِ ناشاد کچھ اب غلام کے بارے میں کیجیے ارشاد
دل آئے سینے سے باہر اگر تو آئے مُراد جو نکلے جان تو ہوں قیدِ رنج سے آزاد
یہ سُن کے طاقتِ صبر و شکیب گھٹنے لگی
دل ملول یہ تڑپا کہ سانس اُلٹنے لگی

اٹھا کے ہاتھ کہا اب نہ کچھ کہو بس بس مرے گلے میں گرہ ہو نہ جائے تارِ نفس
کب ایک حال پہ دنیا میں ہیں کس و ناکس کسی کو اور تمنا، کسی کو اور ہوس
ہمیں ہے دھیان جوانی کا پھل ملے جلدی
تمھیں ہے فکر عروسِ اجل ملے جلدی

ہم ایک بات بتائیں جو تم کرو منظور جو دل میں جنگ و جدل کا ہی شوق ہے میرے غیور
تو ان سے لڑ کے نکل جاؤ ایک سمت کو دور ہمیں تو کام ہے اُمت کا جان دیں گے ضرور
ہمارے قتل کی احباب کو خبر دینا
پدر کی لاش کو پھر آ کے دفن کر دینا

پسر کے بولے کہیں اب حیات منہ پھیرے نہ ہوں جو آپ تو پھر خاک جینے پر میرے
شہا نہ کہیئے کہ ہو گی نہ زیست بے تیرے حضور آپ کو ہم سے غلام بہتیرے
رہیں گے جب نہ شہنشاہ نیک خو باقی
کسی طرح سے رہے گی نہ آبرو باقی

کہا حسینؑ نے اے میرے خوش بیاں کیا خوب سُنا ہے، جانتے ہو، حال حضرتِ یعقوبؑ
عزیز رکھتے تھے یوسفؑ کو صورتِ محبوب وہی ہماری محبت کا تم سے ہے اسلوب
فراق ہو گا تو آنکھوں کا نور جائے گا
بتاؤ ہاتھ پکڑنے کو کون آئے گا

اسی طرح ادھر انکار تھا اُدھر اصرار ملول دیکھ کے کہنے لگے شہِ ابرار
رضا کے واسطے مجھ سے نہ تم کہو زنہار تمھاری زینبِ مضطر ہیں مالک و مختار
نہ یوں کہوں گا سوئے فوجِ اہل کیں جاؤ
جو وہ کہیں تو مجھے عذر کچھ نہیں جاؤ

جھکے سلام کو اکبرؑ کہ مل گئی رخصت کچھ اور ہو گئی صورت بدل گئی رنگت
چلے محل کی طرف اذن کی جو تھی عجلت نگاہِ شہ سے ٹپکنے لگی ادھر حسرت
تمام پرتوِ رخ دور دور پھیل گیا
اٹھا کے پردہ در آئے نور پھیل گیا

حرم سرا میں جو داخل ہوئے علی اکبرؑ زمیں پہ دھوپ میں بیٹھیں تھیں زینبِ مضطر
پئے سلام جھکے، سینے سے لگایا سر کہا میں سمجھی طلبگار اذن ہو دلبر
بدن سے رخصتِ جاں کا پیام لائے ہو
پھوپھی کے دل کی تڑپ دیکھنے کو آئے ہو

خدا کی شان ہوئے ایسے آپ خود مختار چلے ہیں مرنے کو میداں میں باندھ کر ہتھیار
لحاظ اب نہ کروں گی کہ آرہا ہے پیار کہوں گی لفظ خلاف مزاج اے دلدار
یقیں ہوا کہ محبت کا تم کو جوش نہیں
بُرا نہ مانیو واری کہ مجھ کو ہوش نہیں

جوان ہوتے ہی کیسے بدل گئے فی الفور کبھی تمھاری محبت کا ہم سے تھا یہ طور
نگاہ اور ہے آج، آنکھ اور، تیور اور تم اور ہو گئے بیٹا اگر کرو کچھ غور
یہ حال تھا کبھی دم بھر جدا نہ رہتے تھے
وہی ہو تم جو پھوپھی جان مجھ کو کہتے تھے

میں کون ہوں مجھے پہچانتے ہو کیوں واری ابھی سے بھول گئے میری محنتیں ساری
ہوئے جوان علی فوج شہ کی سرداری یہ سب امور تھے گویا سفر کی تیاری
شکن جبیں پہ ہے کیوں مرنے کی رضا کیلئے
خفا ہو مجھ سے، کہو کچھ خدا کیلئے

۳۹ سبھوں سے پوچھ لو موجود ساری گیتی ہے کہیں بھی بیٹے کو ماں مرنے بھیج دیتی ہے
تمھاری وجہ سے سرسبز دل کی کھیتی ہے نہ جاؤ پالنے والی بلائیں لیتی ہے
پھوپھی سے چھوٹ کے منہ آنسوؤں سے دھوؤ گے
نہ ہوں گے ہم تو بہت یاد کر کے روؤ گے

۴۰ اگر یہ جانتی میں تم کو پالتی نہ کبھی مگر جہاں میں بھتیجے کو چاہتے ہیں سبھی
اگر یہی تھا، تم اُلفت نہ کرتے مجھ سے جبھی کرو یہ وعدہ تو دیتی ہوں تم کو رخصت ابھی
کہ ساتھ ساتھ سوئے فوج شام جاؤں گی
تمھیں ہٹا کے میں شمشیر و تیر کھاؤں گی

۴۱ مزاج میں ابھی بچپن ہے اے شبیہ رسولؐ یہ ضد نئی ہے کہ مرنے کے واسطے ہو ملول
بھلا بسی ہوئی بستی اُجاڑنے سے حصول مٹائے دیتے ہو کیوں رونقِ ریاضِ بتولؑ
پھوپھی کا نام ہے، میرا نہ غم سوا ہو گا
بتاؤ ماں ابھی سُن پائے گی تو کیا ہو گا

۴۲ یہ ضد ہے چاہنے والوں کے ساتھ گویا بیر ریاضِ خلد میں جانے کو جانتے ہو سیر
بھلا میں غیر ہوں ماں باپ تو نہیں ہیں غیر یہ جان لو کہ ہے دونوں کا خاتمہ بالخیر
خیال کچھ تمھیں بابا کی بیکسی کا نہیں
مثل یہ سچ ہے جہاں میں کوئی کسی کا نہیں

۴۳ کوئی جواب دو تربان ہو گئی بیٹا میں کہتے کہتے تو ہلکان ہو گئی بیٹا
جو بستی پہلے تھی ویران ہو گئی بیٹا وہ صحبت اگلی پریشان ہو گئی بیٹا
ستم زدوں کو نہ تدبیر ہے نہ چارا ہے
بس اب خدا کا سہارا ہے یا تمھارا ہے

یہ کہہ کے بولیں کہ بھابھی ذرا ادھر آنا — یہ کچھ سمجھتے نہیں ہیں ہمارا سمجھانا
ٹھہر گیا طرفِ لشکرِ ستم جانا — ہوا ہے بھوک میں منظور برچھیاں کھانا
جواب دیتے نہیں سر جھکائے روتے ہیں
خبر بھی ہے علی اکبرؑ وداع ہوتے ہیں

یہ سُن کے بانوئے ناشاد بے قرار آئی — ہوا ملال کہ ہونٹوں پہ جانِ زار آئی
سیہ لباس پہن کر وہ سوگوار آئی — قریب زینبِ ناچار اشکبار آئی
پسر کو دیکھ کے خاموش بھی رہا نہ گیا
بس ایک آہ تو کی اور کچھ کہا نہ گیا

اُٹھے سلام کو یہ، گر پڑیں وہ تھرا کر — اُٹھیں سنبھل کے تو چلائیں اے علی اکبرؑ
کہاں کا قصد ہے قربان ہوگئی مادر — جگر پہ تیر لگا دل پہ چل گیا خنجر
مرے دُکھے ہوئے دل کو عبث دُکھاتے ہو
مجھے بھی لیتے چلو گر جہاں سے جاتے ہو

ذرا پھوپھی کی طرف میرے لال دھیان کرو — رضا کے واسطے منت نہ میری جان کرو
بس اب سوا نہ محبت کا امتحان کرو — جئیں گی بعد تمھارے نہ یہ گمان کرو
قریبِ مرگ ہیں کیا دیکھتے ہو حال ان کا
تمھیں قبول ہے صدقے گئی ملال ان کا

جھکا کے سر کو یہ کہنے لگے علی اکبرؑ — پھوپھی کا ارشاد تو بجا ہے مگر
نہ کس طرح سے بھلا جاؤں سوئے لشکرِ شر — کوئی نہیں ہے اکیلے کھڑے ہوئے ہیں پدر
غلام ساتھ نہ اس وقت دے، وفا نہ کرے
جو اُن کی جان پہ کچھ آپ نے خدا نہ کرے

۴۹ نہ ہوگا مجھ سے، کہ تاراج گھر ہو میں دیکھوں پھوپھی کا بلوے میں عریاں سر ہو میں دیکھوں
سکینہ روتی ہوئی اونٹ پر ہو میں دیکھوں دیارِ شام میں سب کا گذر ہو میں دیکھوں
بیاں ہو طرفہ ستم چرخ نے دکھایا ہے
اسیر ہو کے شبیہِ رسولؐ آیا ہے

۵۰ یہ ذکر تھا کہ پھنکی فوجِ شام میں قرنا غل اُقتلو کا ہوا، عجّلو کا شور ہوا
اُٹھے یہ کہہ کے لعینوں میں گھر گئے بابا کہا پھوپھی نے یہ گھبرا کے جاؤ اے بیٹا
ارے نثار کرو فاطمہؑ کی جائی کو
بچا کے خیمے میں لے آؤ میرے بھائی کو

۵۱ یہ کہہ کے روئی جو بے اختیار وہ پُرغم چہار سمت سے دوڑے تمام اہلِ حرم
شروع ہو گیا کس زور شور سے ماتم محل میں آئے یہ غل سُن کے بادشاہِ اُمم
دل آئے مُنہ کو عجب طرح کا سوال کیا
پکارے کیا علی اصغر نے انتقال کیا

۵۲ پکاری بانوے شہ زندگی ستاتی ہے عجیب سانحہ قسمت مجھے دکھاتی ہے
خبر لو اے مرے والی تباہی آتی ہے رسولِ پاک کی تصویر گھر سے جاتی ہے
پیامِ درد و غم و ہجر دے چکے اکبر
ابھی پھوپھی سے رضا رن کی لے چکے اکبر

۵۳ یہ سُن کے زرد ہوا شہ کا چہرۂ تاباں کہا بہن سے کہ دی ان کو رخصتِ میداں
جھکا کے سر کو عجب یاس سے کہا جی ہاں نیا عمامہ نیا جامہ لائی دوڑ کے ماں
لباس جب شہِ کون و مکاں پہنانے لگے
تو بہ کے ریشِ مبارک تلک اشک آنے لگے

عجیب حال تھا چھائی تھی مُردنی مُنہ پر حواس و ہوش نہ تھے، دل بھی تھا بہت مضطر
عمامہ رکھ کے بہت روئے سبطِ پیغمبر قبا پہنائی تو شہ کا پہننے لگے تھر تھر

کلام یاس کے تھے مُنہ پسر کا تکتے تھے
یہ ہاتھ کانپتے تھے بند بند نہ سکتے تھے

جب اپنے لال کو دولھا بنا چکے شبیرؑ کمان دوش پہ رکھی، سوا ہوئے دلگیر
پھوپھی کے، ماں کے کلیجے پہ چل گئی شمشیر کمر سے تیغ لگائی تو آپ ہو گئے پیر

نظر مصیبتِ قلبِ حسینؑ آنے لگی
کہ حیرتِ شہِ دیں آئینہ دکھانے لگی

پھر اُدھر سے جو وہ رشکِ مہر و غیرتِ ماہ پھوپھی کی، ماں کی، نظر میں ہوا زمانہ سیاہ
ہوئے جو خم پئے تسلیم اکبرؑ ذی جاہ حسینؑ کہنے لگے رو کے فی امان اللہ

ہم اور تم رہے اٹھارہ سال ایک جگہ
بنیں گی قبریں اب اے نونہال ایک جگہ

چلے محل سے جو ہمراہ سرورِ ذیشاں گلے سے لپٹی پھوپھی اور کمر سے لپٹی ماں
پکارتی تھیں کہ ہوتا ہے آج گھر ویراں خدا کی حفظ میں تم کو دیا، علیؑ کی اماں

بہار باغِ علیؑ و بتول لے کے چلے
یہ پالنے کا صلہ ہے کہ داغ دے کے چلے

بڑھے امام بھی، مل کر چلا جو وہ مہتاب اُنھوں نے عرض کی تکلیف اُٹھائیے نہ جناب
حسینؑ بولے ذرا رو کو کہ روح ہے بیتاب غرب کی رسم ہے اے نورِ عین حق الباب

شریک جس میں ہے خود بھی وہ صحبت ہے
بس اتنی دیر کا یہ ساتھ بھی غنیمت ہے

جب آئے ڈیوڑھی میں شہ اور اکبرِ مہرو مُڑے پسر کی طرف دل ہوا جو بے قابو
اس اضطراب سے رونے لگے شہِ خوش خو کہ چشمِ پاک سے پہنچے زمین تک آنسو
کہا فقیر ہوئے، تخت و تاج لُٹتا ہے
حُسینؑ آج رسولِ خدا سے چھُٹتا ہے

گلے لگا کے کہا ہائے کیا کروں بیٹا جو بس ہو جان بھی تجھ پر فدا کروں بیٹا
قریب مرگ ہے دل کیا دوا کروں بیٹا میں تجھ کو سینے سے کیونکر جُدا کروں بیٹا
فراق زہر ہے اے غیرتِ قمر مجھ کو
جگر نہ مُنہ سے نکل آئے، ہے یہ ڈر مجھ کو

جُھکے نہ جاؤ ادب سے میں گر پڑوں نہ کہیں خدا گواہ ہے طاقت کا مجھ میں نام نہیں
لگا دو سینے سے سینہ تو دل کو ہو تسکیں ہلا دو ہونٹ مرے مُنہ سے اور جبیں سے جبیں
لحاظ ہو تو کنول کب دلوں کے کھِلتے ہیں
بس اس طرح سے ملو جیسے دوست ملتے ہیں

شمیم گیسوئے مُشکیں سُنگھاؤ اے بیٹا اُٹھاؤ سر مجھے صورت دکھاؤ اے بیٹا
لہو میں ڈوبتی ہے دل کی ناؤ اے بیٹا تڑپ رہا ہوں، غش آئے تو جاؤ اے بیٹا
اب ایک آن میں دیکھوں گا غرقِ خوں تم کو
ذرا کھڑے رہو جی بھر کے دیکھ لوں تم کو

یہ کہہ کے جانبِ مقتل چلے شہِ والا بس آگے بڑھ کے یہ مشکلِ مصطفےٰؐ نے کہا
نہ باہر آپ مرے ساتھ آیئے بابا کہا امام نے مجبور ہوں میں اے بیٹا
نہ اس طرح سے کبھی مضطر و حزیں جاتا
نہ مجھ کو دل لیے جاتا ہے میں نہیں جاتا

جو نکلے خیمے سے جان و دلِ شہِ ابرار — تو اُن کو دیکھتے ہی بولنے لگا رہوار
یہ تھا اشارہ کہ جلد آ کے ہو جیے اسوار — فرس بھی تھا علی اکبرؑ کا عاشقِ سرشار

سمجھ کے وقت سواری قریب آپہنچا — زمانہ وصل کا جو قریب آئیگا
خوشی میں دوڑ کے راکب کے پاس جا پہنچا — تم فراق کی بیتابیاں دکھائیگا

قدم رکاب نے چومے ہوئی دعا جو قبول — فروغِ زین مرصع ہوئے شبیہِ رسولؐ
براق کے نظر آنے لگے فرس میں اصول — نقاب مُنہ سے ہٹی کھِل گیا گلاب کا پھول

چھپا کے خُلد میں یوسف کو پردہ ڈال دیا
ہر ایک حور نے غرفے سے مُنہ نکال دیا

نگاہ اسپ نے مردم سے جان ہی شئے لی — وہ یال جس سے کہ شرمندہ گیسوئے لیلی
ہٹی جو رخ سے اندھیری تو چاندنی پھیلی — یہ رنگ اُس کا کھلا دھوپ ہو گئی میلی

ہوا تھمی ہوئی تھی اُس کا ساتھ دینے کو
کھڑی تھیں دیر سے پریاں بلائیں لینے کو

قدم بڑھا نہیں پامال سب زمانہ ہوا — جہاں بساطِ سلیماں کا اک فسانہ ہوا
چھُوا لگام کا تسمہ فرس روانہ ہوا — خیالِ تیز روی اس کو تازیانہ ہوا

کبھی اِدھر کبھی اُس سمت باگ مُڑنے لگی
دلِ حسینؑ کی ہستی میں خاک اڑنے لگی

چلے جہاد کو ہمشکلِ احمدِ مختار — ہوا بھری تو ہوا تیز اور بھی رہوار
جو زلزلے کے نمایاں ہوئے تمام آثار — تو جمع ہونے لگا اُٹھ کے ہر طرف سے غبار

ستمگروں کے ہٹے پاؤں، پیچھے ہٹنے کو
زمیں سمٹنے لگی اُن کے اُلٹنے کو

قریب فوج گیا دلبرِ شہ بیکس ۷۹ فرار کر گئے وہ جن کو تھی وغا کی ہوس
یہ بات چاہیئے، کہنے میں اس طرح ہو فرس بس اک قدم نہ بڑھایا کہا جو آپ نے بس

کمال غیظ بڑھا جب قریبِ صف آیا
چبایا ایسا دہانہ کہ مُنہ میں کف آیا

تمام فوج کو ان کے نہیب نے رولا ۷۵ کیا وہ زور سے نعرہ کہ ساتھ رن بولا
اُٹھا کے نیزہ جو ہر بد شعار نے تولا بگڑ کے تیغ کے قبضے کو آپ نے کھولا

مزا ہے مُلکِ شجاعت میں جب عمل بیٹھے
ذرا رکابوں کو لنگر دیا، سنبھل بیٹھے

دکھاؤں جلوۂ تیغِ شبیہِ پیغمبر ۷۱ جو خوش غلاف ہو تلوار، یہ بھی ہے جوہر
بڑھا اُدھر سے پرا باندھ کر جو لشکرِ شر ۷۰ تو ساتھ ہاتھ کے قبضے کی ہاتھ آئی نظر

گئی وہ چرخ پہ ایسی دماغ عالی تھی
نگاہ پھرنے نہ پائی کہ میان خالی تھی

حسام برق بنی تھی شرر فشانی سے ۷۲ دبے پہاڑ اسی کی فقط گرانی سے
یہ دل میں جلتی ہے اعدا کی زندگانی سے نہیں ہے ابر دھواں اُٹھ رہا ہے پانی سے

یہ دست و تیغ سب اوصاف میں برابر ہیں
کہ جتنے اُس میں ہُنر ہیں اُتنے اس میں جوہر ہیں

سرِ بلند جو ہے جھک گئی ہے سب کی آنکھ ۷۳ نہ ڈر سے ہٹتی تھی ہر ایک بے ادب کی آنکھ
یقین تھا کہ مرے گر ملائی اب کی آنکھ لہو سے دیدۂ جوہر بنے غضب کی آنکھ

نہ کیوں ہوں صاف صفیں، ہو نگہ جدھر اسکی
کہ جس کا نام قضا ہے وہ ہے نظر اس کی

گری وہ برق جو گرجے سپاہ کیں میں دُہل چہار سمت ہُوا رن میں گیر و دار کا غُل
علیؑ کی شان شبیہِ رسولؐ ہیں بالکل عقاب اُڑتا ہے ہر بار صورتِ دُلدُل
پُکار تھی کہ مزا یہ صفائیوں کا ہے
سماں نظر میں سب اگلی لڑائیوں کا ہے

جو اُس کو دو کیا اک بار تا کمر سر سے ملایا خاک میں اس کو قدم کی ٹھوکر سے
گرا دیا کسی اسوار کو فرس پر سے اکیلے آپ لڑائی تمام لشکر سے
جنھیں تھا زعم شجاعت وہی جواں مارے
تمام فوج کے چُن چُن کے پہلواں مارے

پکارتے ہیں جو سردار اہلِ شر کے ہیں یہ تفرقے بھی نئے چرخِ فتنہ گر کے ہیں
کہیں جو دیکھیے تو ڈھیر جسم و سر کے ہیں کہیں پہ سیکڑوں ٹکڑے دل و جگر کے ہیں
غرض اُمید وفا جن سے تھی وہ ساتھ نہیں
کسی کے پاؤں نہیں ہیں کسی کے ہاتھ نہیں

دکھا رہی ہے چمک تیغ کی، نیا انداز دکھائی دیتی ہیں روحیں جو کرتی ہیں پرواز
نکل چلا کوئی بچ کر جو تفرقہ پرداز لگا کے آپ نے اُوچھا سا ہاتھ دی آواز
کہ زخم تیغ کو دو دم یادگار لیتا جا
نشانی ایک تو اُو بد شعار لیتا جا

بڑھے تو مورچے لشکر کے دمبدم توڑے پھر ہرے پھاڑ کے پھینکے، ادھر علم توڑے
ہزار ہا سرِ کفار کم سے کم توڑے دکھا دی بُت شکنی مثلِ جد صنم توڑے
خدا کے بعد ہیں ہم، سب کو یہ بتاتے ہیں
ہر ایک وار پہ تکبیر کہتے جاتے ہیں

یہ خوف تھا کہ سب افسر بہن رہے تھے کفن ۷۹ کہ آ کے ایک خبردار نے کیے یہ سخن
نہیں اب اے پسرِ سعد تاب چشم زدن وہ رن پڑا ہے کہ خالی پڑا ہوا ہے رن
اُٹھے ہیں پاؤں کہ سب فوج بھاگی جاتی ہے
یہ تیغ سیل ہے جو ہاتھوں بڑھتی آتی ہے

مگر خوشی کا زمانہ اس آن آتا ہے نظیر جس کا نہیں وہ جوان آتا ہے ۸۰
وہ سامنے جو سیہ اک نشان آتا ہے اُسی کے سایے میں اک پہلوان آتا ہے
سپاہِ شام ظفر پا گئی مبارک ہو
بس اب ہے فتح کمک آ گئی مبارک ہو

پھر ایہ سُن کے وہ سوئے شبیہ پیغمبر کہا حضور توقف کریں تو ہے بہتر ۸۱
کہ ایک شخص ہے راغب اکیلے لڑنے پر جواب کچھ نہ دیا تھم گئے علی اکبرؑ
یہ کہہ کے فوج کے اُس سمت بے حیا پہنچا
یہ اُس کو لینے چلا تھا کہ خود وہ آ پہنچا

کیا سلام نہ اُترا فرس سے وہ مغرور کہا بپا ہے کدھر خیمۂ امامِ غیور ۸۲
میں لوٹ لوں ابھی سادات کو یہ ہے منظور جواب اُس نے دیا دل سے یہ ذرا رکھ دُور
جو بارہ لاکھ کا عالم ہے کچھ خبر بھی ہے
ابھی حسینؑ بھی زندہ ہیں اک پسر بھی ہے

اُنھیں تباہیٔ امت کا دھیان ہے جو بڑا ادب سے شاہ کے، دل کھول کر کوئی نہ لڑا ۸۳
ہماری فوج کا اب تک کہیں نشاں نہ گڑا زمیں وہ کون سی ہے جس جگہ یہ رن نہ پڑا
جو مر گئے ہیں انھوں نے بھی جنگ سر کی ہے
اُدھر کی فتح ہے اب تک شکست اِدھر کی ہے

کہا لعیں نے غصہ میں کر کے آنکھیں لال کوئی دلیر ہے میداں میں بہر جنگ و جدال
کہا یہ شمر نے موجود ہے حسینؑ کا لال وہی لڑا ہے کہ سب فوج ہو گئی پامال
نہ آگے جائیو آجائے گی بلا سر پر
جو تو بڑھا تو وہ پھر آپڑیں گے لشکر پر

کہاں لعیں نے بگڑ کر کہ ہے کہاں وہ جواں بتا دیا پسرِ سعد نے کہ رن ہی جہاں
فرس سے اُٹھ کے اُدھر دیر تک رہا نگراں کہا اسی سے ہی ڈر، شمر نے کہا ہاں ہاں
اسی کے خوف سے ہر زہرہ آب ہوتا ہے
نہ کوئی اور سمجھنا علیؑ کا پوتا ہے

علیؑ کا سنتے ہی نام آگ ہو گیا ملعون بڑھی غضب کی حرارت کہ جوش کھا گیا خون
زباں چبانے لگا ہو گیا لعیں کو جنون کہا کہ آج دکھاؤں گا سب دغا کے فنون
یہ کہہ کے جنگ پہ آمادہ بد شعار ہوا
فرس تھکا ہوا تھا اور پر سوار ہوا

پہن کے خود بنا بد دماغ وہ سرکش جفا شعار نے تیروں سے بھر لیا ترکش
وہ شکل زشت کہ عفریت دیکھ کر ہو غش سیاہ رنگ کہ جیسے شبِ دیارِ حبش
جو ڈر سے غش میں تھے وہ بانیِ ستم اُٹھے
بڑھا جو فوج سے ڈنکا ہُوا علم اُٹھے

سپاہِ طبع لڑائی کا طور اور دکھا وہ اور دور تھا اب کوئی دور اور دکھا
خراب حالتِ ارباب جور اور دکھا جو دیکھے ہیں وہ نہ ہوں، ڈھنگ اور اور دکھا
اُدھر ہوں لاکھ اِدھر یہ جری اکیلا ہو
کبھی نہ شیر نے بھی یوں شکار کھیلا ہو

کدھر ہے اے مرے ساقی شراب کوثر دے — رُکے نہ ہاتھ پیا جائے یا پلا برابر دے
نہ جس کا نشہ گھٹے حشر تک وہ ساغر دے — نہ دے سبو و خم و جام، دل مرا بھر دے
ترنگ نشے کی ہے رنگ اب بگڑتا ہے
کہ دیں پناہ سے اک بادہ خوار لڑتا ہے

فرس بڑھا کے وہ میکش قریب آیا جب — کہا لعیں نے بتائیں حضور نام و نسب
دیا جواب کہ دنیا میں جانتے ہیں سب — ہے ماں کا ملک عجم اور پدر ہیں شاہِ عرب
چراغِ خانۂ ابنِ بتول کہتے ہیں
مجھی کو لوگ شبیہِ رسولؐ کہتے ہیں

نسب کا اپنے لعیں کر سکا نہ کچھ اظہار — مگر کمال تعلّی سے اُس نے کی گفتار
کہ میں سپاہِ عرب سے لڑا ہوں لاکھوں بار — لہو میں روز بھرا کی ہے یہ مری تلوار
کہا حضور نے ایسا نہ رن پڑا ہوگا
جو آج لڑ تو میں جانوں کبھی لڑا ہوگا

نہیں ہے تجھ کو ہماری لڑائیوں کی خبر — ہماری تیغ نے کاٹے ہیں جبرئیل کے پر
شکست پا گیا خندق میں عمر سا خودسر — ستمگروں سے لڑے ایک مرتبہ شب بھر
حُنین و بدر میں کیا کیا ملال گزرا ہے
سُنا تو ہوگا جو خیبر میں حال گزرا ہے

کیا خدا نے ہمیں وارثِ جنابِ امیرؑ — وہی ہے زور اُسی طرح سے ہیں خیبر گیر
اجل قریب ہے بچنے کی کوئی کر تدبیر — کبھی نہ خود و سپر سے رُکے گی یہ شمشیر
سُنوں کا بوجھ ستمگار کیوں اُٹھایا ہے
یہ حربے کس لیے بیکار ساتھ لایا ہے

سلاح کام نہ آئیں گے جب قضا ہوگی چلی جو تیغ، سناں نیزے سے جُدا ہوگی
یہ گرز کس لیے ہے، یہ کمند کیا ہوگی کمان و تیر کو پھینک، ان سے بھی خطا ہوگی
بدن پہ اسلحہ سج کر ذرا دلیر نہ ہو
ابھی ہے فیصلہ تلوار کھینچ دیر نہ ہو

ہمیں ہی دہر سے جلدی کہ باغ خلد میں جائیں کڑی ہے دھوپ ہَوا گرم ہی، لہو میں نہائیں
جو تیرے ساتھ ہیں اُن سب سے کہدے نزدیک آئیں ابھی لڑیں کہ ہُنر اپنے تیرے بعد دکھائیں
خیالِ جنگ میں ہر ایک پہلوان رہے
پکارنا نہ پڑے ہم کو اس کا دھیان رہے

قدم ہٹیں نہ دمِ گیر و دار پھر ہے مزا نظر ہو تیغ پہ ہر ایک بار پھر ہے مزا
وغا میں رَد کرے بڑھ بڑھ کے وار پھر ہے مزا لپٹ کے ہاتھ چلیں تین چار پھر ہے مزا
نہ قدر ہو کہ جگر کیا ہے اور دل کیا ہے
کرے جو دَور سے حملے وہ سخت بُودا ہے

سپاہیوں کو ہے تلوار سے بڑی قوت ہمیشہ اس کو سمجھتے ہیں باعثِ دولت
یہ وہ ہے زینتِ پہلو کہ جس سے ہے عزّت سنان و تیر و تبر، ~~ان سے اس کو~~ کیا نسبت
اسی کے دَم سے دلیروں کا نام چلتا ہے
اسی کی وجہ سے شاہوں کا کام چلتا ہے

یہ سُن کے آئی حیا، تیغ لی، بڑھا جلّاد غضب کے ہاتھ لگانے لگا ستم ایجاد
گزند ان کو نہ پہنچی تو یوں کیا ارشاد تجھے تو کچھ ہُنرِ جنگ خاک بھی نہیں یاد
عیاں ہے صاف کہ دونوں پہ خوف طاری ہی
فرس کو روک، سنبھل، اب ہماری باری ہی

وغا سے دل ترا نامرد ہٹ نہ جائے کہیں ۹۶ نظر نہ پھیر اُدھر دھیان بٹ نہ جائے کہیں
ذرا جھلم نہ ہٹا چہرہ کٹ نہ جائے کہیں جھپک کے تیغ سے، گھوڑا اُلٹ نہ جائے کہیں

فرس کا ہے پس و پیش ایک، یوں سمٹتا ہے
بڑھ آگے، خوف سے کیوں دب کے پیچھے ہٹتا ہے

بڑھے یہ کہہ کے لگے چلنے جانبین سے وار ۱۰۰ گھٹا جو زور ہوا دست پاچہ ظلم شعار
لعیں کی اُنگلیاں کٹ کٹ کے اُڑتی تھیں ہر بار ہوا یہ حال لگی گرنے ہاتھ سے تلوار

کہا انھوں نے جو زخمی اُدھر کلائی ہوئی
یہی تھی ضرب ید اللہ کی بتائی ہوئی

جو موت کہہ رہی تھی زندگی ہے تھوڑی دیر ۱۰۱ ہوا تھا سب تن و توش اُس کا خاک کا اک ڈھیر
دبا رہا تھا اُسے ہر طرف سے یوں یہ دلیر کہ جیسے کھیلتا ہے نیم جاں شکار سے شیر

صدائے شاہ تھی ہمت کو راہ دو بیٹا
اگر یہ چاہے تو اس کو پناہ دو بیٹا

دبا کے گھوڑے کو لے آیا زد پہ ظلم شعار ۱۰۲ نہ پھر سکا جو کسی سمت اُلف ہوا رہوار
لگائی تنگ پہ خم ہو کے آپ نے تلوار بس ایک اشارے میں دو ہو گیا مع ~~[illegible]~~ اسوار

نئی یہ تیغ زنی تھی ہر اک پکار اُٹھا
گرے جو دونوں زمیں ہل گئی غبار اُٹھا

کب اُس کے خش نے مرنے کی اپنے پائی خبر ۱۰۳ جب ایک حصہ اِدھر گر پڑا اور ایک اُدھر
ہوا تھا ساتھ جو گھوڑے کے دو دو بانیِ شر تو نصف رہ گیا پٹھوں پہ نصف گردن پر

پکارے آپ کہ پروردگار شاہد ہے
دوئی ہی سب کے لیے اُس کی ذات واحد ہے

گیا سقر میں وہ آلِ رسولؐ کا بدخواہ چلے پلٹ کے جو اسوار آئے تھے ہمراہ
حیا کی جا ہے پکارے یہ اکبرِ ذی جاہ نمک کا پاس ہی شرط، اور دوستی کا نباہ
اُٹھاؤ لاش یہ سردار تھا رسالے کا
نہ لوگے مجھ سے عوض اپنے ساتھ والے کا

سُنی ہر ایک نے احسنت کی فلک سے صدا خود ان کے ہاتھ نے پایا مزا صفائی کا
فرشتے کہہ رہے تھے بار بار صلِ علا حسینؑ بڑھ کے پکارے کہ مرحبا بیٹا
اس ایک ضرب کے سو دل نے لطف اٹھائے ہیں
کمال شیرِ خدا مجھ کو یاد آئے ہیں

سلام کر کے چلے پھر سوئے سپاہِ عدو صفیں اُلٹ گئیں پھر حشر ہو گیا ہر سو
سپاہِ شام میں زخمی جو تھا ہر اک بدخو کمر کمر نظر آتا تھا چار سمت لہو
نہ بھاگا جاتا تھا، سر کٹ کے آگے گرتے تھے
یہ ڈر تھا موت کے دامن میں چھپتے پھرتے تھے

یہ جب سے لڑ رہے تھے ایک شخص فکر میں تھا جو موقع اُس کو ملا چھپ کے کی لعیں نے دغا
لگا کے کھینچ لیا بدشعار نے نیزا دل آ کے سینے کے باہر جو زور سے تڑپا
تمام تن کا لہو بہہ گیا ہزار افسوس
غش آیا ٹوٹ کے پھل رہ گیا ہزار افسوس

چھدا جوان کا جگر شہ کے دل میں اُٹھا درد رُکی جو سانس یہاں اور غم کی چھا گئی گرد
دمِ اُلجھا شاہ کا آئیں لبوں پہ آہیں سرد لہو بہا جو یہاں ہو گیا وہاں مُنہ زرد
رہی نہ تاب تو ہمراہِ نورِ عین گرے
اُدھر گرے علی اکبرؑ اِدھر حسینؑ گرے

۱۰۶ ہوا جو یا اَبَتا کی صدا سے دل بے چین — تو کہہ کے اے مرے دلبند خوب روئے حسینؑ
جو وہ پکارے کہ اُدرِکنی اے شہِ کونین — کہا حسینؑ نے لبّیک میرے نورالعین
ضعیف باپ تو آنکھوں سے آئے اے بیٹا
کمر کے درد سے اٹھا (اٹھا) تو جائے اے بیٹا

۱۱۰ بنا کے تیغِ علی کو عصا اُٹھے سرورؑ — جھکے ہوئے تھے، ترقی پہ تھا جو دردِ کمر
نظر میں فرق جو تھا کہہ رہے تھے جاؤں کدھر — کہاں ہے خیمہ، کدھر میں ہوں، کس طرف ہے پسر
امید تھی کہ ملیں زندہ، درد دل جائے
اب آرزو ہے کہ خیر اُن کی لاش مل جائے

۱۱۱ چہار سمت سے گھیرے ہوئے ہیں بدافعال — میں کیا کروں گا اگر لاش ہوگئی پامال
کہیں گے اہلِ حمیت سنیں گے جب یہ حال — کمال صاحبِ غیرت تھا مرتضیٰ کا لال
یہ ہتک ہوگئی، اعدا سے لاش لینی تھی
پسر جو ہوگیا پامال، جان دینی تھی

۱۱۲ پکارتے ہوئے جاتے تھے سرورِ کونین — کہ در سے سُن لیے فضہ نے شاہِ دیں کے یہ بین
حرم سے جا کے یہ کہنے لگی بہ شیون و شین — گئے ہیں روتے ہوئے سوئے قتل گاہ حسینؑ
وہ نعرہ کرتے ہیں دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے
کہ جیسے چھوٹ کے بچّوں سے شیر روتا ہے

۱۱۳ پکارے فوج کو پھر آپ سر نہ کٹنے پائے — سوار گھوڑے ہٹائے رہیں ہم آئے ہم آئے
خدا کسی کو نہ ایسا جہاں میں داغ دکھائے — یہ پوچھو اُس سے کہ جس سے جواں پسر چھُٹ جائے
تڑپ رہا ہے جگر اور مضطرب دل ہے
بس انتہا ہوئی اب صبر مجھ سے مشکل ہے

۱۲۱ یہ کہہ کے آگے بڑھے کانپتے ہوئے سرورؑ پکارے دور سے کس سمت ہو علی اکبرؑ
خدا کے واسطے آواز دو ہم آتے ہیں کدھر بسائی کون سی بستی کہاں گئے دلبر
میں کیا کروں کوئی ہاتھوں سے دل کو ملتا ہے
جواب دو نہیں بابا کا دم نکلتا ہے

۱۲۲ مجھے نظر نہیں آتا یہ کوئی کیا جانے میں راستہ نہیں پاتا یہ کوئی کیا جانے
میں لاش کیوں نہیں لاتا یہ کوئی کیا جانے چلا پھرا نہیں جاتا یہ کوئی کیا جانے
پکاروں کس کو کہ تا قتل گاہ پہنچا دے
کہوں میں کس سے کہ اکبر کی لاش بتلا دے

تڑپ کے بولی یہ ماں دل پہ چل گیا بھالا ارے گیا ہوا ہے میرا گیسوؤں والا
۱۲۳ پکاری بنتِ علیؑ دل ہوا تہ و بالا گئے ہیں روتے ہوئے رن میں کیوں شہ والا
وہ بولی جاتی ہوں میداں میں ننگے سر بی بی
نہ روئیں آپ ابھی لاتی ہوں خبر بی بی

پکاری در سے ادھر میرے شاہزادے آؤ تمھاری لونڈی ہوں میں ایک بات سنتے جاؤ
۱۲۴ قلق سے کانپ رہی ہوں قدم نہ آگے بڑھاؤ یہ کس طرف کو تڑپتے ہوئے چلے ہو بتاؤ
صدا امام نے دی گھر چلو ہم آتے ہیں
مُوا جوان پسر لاش لینے جاتے ہیں

پھری یہ سُن کے ادھر اور ادھر حسینؑ چلے کبھی گرے کبھی یہ کہہ کے غم سے ہاتھ ملے
۱۲۵ کہن آفتوں میں گھرے، کن مصیبتوں میں پلے ابھی جو آئیں تو کیا دوڑ کر لگاؤں گلے
بہار تازہ مرے دل کے باغ میں آئے
رسولِ پاک کی خوشبو دماغ میں آئے

۱۱۶ پکارتے ہوئے جاتے تھے شاہِ نیک خصال کدھر خزاں ہوا تو اے مرے چمن کے نہال
۱۱۶ مرے جوان یہ پیری مری یہ رنج و ملال میں ناتواں ہوں سنبھلتا نہیں دل آ کے سنبھال
غضب کی دھوپ ہے کوسوں شجر کی چھاؤں نہیں
بڑھی ہے پیاس کہ قابو میں ہاتھ پاؤں نہیں

۱۱۷ صدا ناؤ نہایت شکستہ خاطر ہیں سرائے دہر میں اک آن کے مسافر ہیں
۱۱۷ نہ سمجھو لال کہ ویسے ہی اب بھی صابر ہیں ہوئی تمام شکیبائی اور ہم آخر ہیں
جیئے وہ خاک فلک جس پہ اے قمر ٹوٹے
پیامِ مرگ ہے، پیری میں جب کمر ٹوٹے

۱۱۸ جہاں میں کیا یہی ہوتا ہے واہ اے بیٹا ضعیف باپ سے پھیری نگاہ اے بیٹا
۱۱۸ کیا ہے ضعفِ بصر نے تباہ اے بیٹا نہ تم ملو گے نہ اب خیمہ گاہ اے بیٹا
بچائے کون لہو سے جو لال ہو جائیں
نہ پوچھے کوئی اگر پائمال ہو جائیں

۱۱۹ کہاں گیا مری بستی کا شاہ کوئی بتائے میں لٹ رہا ہوں کوئی شخص ہے کہ آ کے بچائے
۱۱۹ نہ جس کا پوچھنے والا ہو کیوں نہ خاک اڑائے مدد کے واسطے بیکس غریب کس کو بلائے
مسافرت میں ٹھکانا ہے اب کہاں میرا
کہ مجھ کو چھوڑ گیا میرِ کارواں میرا

۱۲۳ قریب آ گئے جب بادشاہِ عرش پناہ کراہنے کی صدا آئی کان میں ناگاہ
۱۲۳ گئے صدا کی طرف دوڑ کر شہِ ذی جاہ نظر نہ آئے جو اکبر تو دل سے کھینچی آہ
جواں پسر کے تنِ پاش پاش کو ڈھونڈھا
کہ گر کے آپ نے ہاتھوں سے لاش کو ڈھونڈھا

بھرا جو ہاتھ میں بیٹے کے زخمِ دل کا لہو لگا کے سینے سے رونے لگے شہ خوش خو
اُٹھا کے خاک سے سونگھے وہ مشک سے گیسو پکارے آپ کئی بار تھام کر بازو
اسیرِ درد و اَلم کُشتۂ غم آئے ہیں
اب آنکھیں کھول دو ہشیار ہو ہم آئے ہیں

مجھے گلے سے لگا اے مرے خلیق پسر میں بیکس آیا ہوں اُٹھ اے مرے رفیق پسر
پدر کا حال تو پوچھ اے مرے شفیق پسر مرے سعید پسر اے مرے لئیق پسر
خفا ہو مجھ سے کہ لب کھولتے نہیں بیٹا
بتاؤ کیا ہوا کیوں بولتے نہیں بیٹا

سُنی جو اکبرِ مہرو نے شاہ کی آواز کہا غلام سے ہوتیں نہیں اب آنکھیں باز
سہی حضور نے تکلیف کیوں پئے جانباز پسر سے کہنے لگے پیار کر کے شاہ حجاز
کہاں کہاں نہ میں عُریاں سرو ملول گیا
میں تم کو دیکھ کے تکلیف اپنی بھول گیا

جو پوچھا شاہ نے کیسے ہو میرے غنچہ دہن کہا کہ درد کی شدّت ہے یا امامِ زمن
قریب ہے کہ چلی جائے جان چھوڑ کے تن سر اب اُٹھا نہیں سکتا کہ ڈھل گئی گردن
قلق ہے روح کو آرام یا حسینؑ آئے
نکال لیجئے برچھی کا پھل تو چین آئے

یہ سن کے شاہ کی آنکھوں کے چھلکے پیمانے کہا کہ جس پہ مصیبت پڑے وہی جانے
سنبھل کے آپ نے دامن قبا کے گردانے جماہی آئی لگے ہاتھ پاؤں تھرّانے
نہالِ باغِ جوانی میں خوب پھل آیا
کہ لے کے روح کو برچھی کا پھل نکل آیا

۱۲۹ پسر کا منہ شہ دیں نے جو غور سے دیکھا عمامہ پھینک کے چلائے آپ وا اسفا
ہمیں خبر نہ ہوئی یوں گزر گئے بیٹا مضمر ہوئی تمھیں باغِ جہاں کی آب و ہوا
ہٹا کمال جو دنیا سے دل یہ غم سہہ کے
تو آپ رونے لگے بعد کُل العفا کہہ کے

۱۳۰ اُٹھا کے لاش چلے سوئے خیمہ گاہ امام قریب آئے تو رانڈوں میں ہو گیا کہرام
بپا تھا گھر میں وہ ماتم کہ ہل رہے تھے خیام عجیب حال سے تشریف لائے شاہِ انام
نہ تھی یہ تاب کہ روتے کھڑے کھڑے حضرت
لٹا کے لاشۂ فرزند گر پڑے حضرت

۱۳۱ دل آیا منہ کو جو کی ماں نے زخمِ دل پہ نظر پکاری بیٹ کے سرہانے میرے لختِ جگر
ابھی تو اچھے گئے تھے یہ کیا ہوا دلبر مری نظر میں ہے بچپن تمھارا اے اکبرؑ
جو میں پکارتی تھی منہ سے تم نہ بولتے تھے
یہ ماں نثار مگر ہنس کے آنکھیں کھولتے تھے

۱۳۲ نہ آنکھیں کھولتے ہو اور نہ بولتے ہو آج یہ کیوں خموش ہو کیسا ہے میری جان مزاج
جہاں سے اُٹھ گئے ہمشکلِ صاحبِ معراج دوہائی ہے مری بستی قضا نے کی تاراج
تمام کب ہوئی طفلی کہاں شباب آیا
عجیب وقت گہن میں یہ آفتاب آیا

۱۳۳ سکینہؑ کہتی تھی گودی میں ہم کو لو بھائی پکارتی تھی یہ کبرا جواب دو بھائی
دن اب رہا ہے بہت کم اُٹھو اُٹھو بھائی قریب خیمہ ہے روکو سیاہ کو بھائی
یہی تھی بہنوں سے اُلفت کہ منہ کو موڑ گئے
وطن سے لائے تھے جنگل میں ہم کو چھوڑ گئے

بیاں تھے بنتِ علیؑ کے یہ کیا ہوا تجھ کو — میں لاکھ جان سے صدقے یہ کیا ہوا تجھ کو
بتا تو اے مرے بچّے یہ کیا ہوا تجھ کو — پھوپھی کے چاہنے والے یہ کیا ہوا تجھ کو
بھلا وہ جان سے کیونکر نہ ہاتھ دھو بیٹھے
جو ایک عمر کی اپنی کمائی کھو بیٹھے

ابھی نہ تھے ترے مرنے کے دن علی اکبرؑ — ہوا تھا کچھ ابھی ایسا نہ سن علی اکبرؑ
جہاں میں جیتے ہیں لاکھوں مُسن علی اکبرؑ — سحر ہی سے نہ تھی مطمئن علی اکبرؑ
نگاہ میں تھا یہ زخمی ترا جگر بیٹا
جبھی سے تھی مجھے اس وقت کی خبر بیٹا

پھوپھی سے باتیں کرو آنکھیں کھولو میرے غیور — بدن سے جان نکلتی ہے غم کا ہے یہ وفور
میں ہاتھ جوڑتی ہوں بخشو گر ہوا ہو قصور — تمھیں تو چاہیئے واری مرا لحاظ ضرور
نہ اب رُلاؤ کہ دو دن کی بھُوکی پیاسی ہوں
شبیہ جن کی ہو تم اُن کی میں نواسی ہوں

لہو میں غرق ہوئے ثانیٔ شہِ لولاک — تمھیں خبر نہیں زلفوں پہ جم گئی ہے خاک
یہ کیسی کھائیں ہیں تیغیں کہ ہے قبا صد چاک — اس اپنی پالنے والی سے مانگ لو پوشاک
صدا تمھاری کسی طرح سے اس آن آجائے
پھوپھی جو کہہ کے پکارو تو مجھ میں جان آجائے

پھوپھی نثار مرے لمبے گیسوؤں والے — غضب ہے دیکھتی ہوں تیرے زخم میں آلے
غریب و بیکس و مضطر کی گود کے پالے — یہ سوزِ غم ہے کہ سینے میں پڑ گئے چھالے
ابھی ابھی تجھے دولھا بنا کے بھیجا ہے
چھدا ہے دل ترا ٹکڑے مرا کلیجا ہے

غش آیا زینبِ ناشاد کو بڑھا یہ غم — کمر کو تھام کے اُٹھے زمیں سے شاہِ اُمم
پسر کو لے کے چلے آپ سوئے دشتِ ستم — سروں کو پیٹتے ڈیوڑھی تک آئے اہلِ حرم
محل سے رن میں شہنشاہِ مشرقین آئے
جہاں تھے اور شہیدؑ اُس جگہ حسینؑ آئے

لٹا کے لاشۂ فرزندِ خوب روئے جناب — نگاہِ یاس سے دیکھا کیے پسر کا شباب
حسینؑ ہوتے تھے کچھ سوچ سوچ کے بیتاب — وہ زخمِ دل جو کھلا تھا کھلی تھی غم کی کتاب
جو یاد آ رہی تھی ان کی پیاس رہ رہ کے
گلے تک آ گئے تھے شہ کے اشک بہہ بہہ کے

یہ فکر کر رہے تھے کیونکر ان کو دفناؤں — قبا میں خون بھرا ہے کفن کہاں پاؤں
مزار ان کا بناؤں کہ برچھیاں کھاؤں — اب ان کو روؤں کہ زینبؑ کو روکنے جاؤں
کچھ آب تیغ کی بھی فکر ہے کہ پیاسا ہوں
ہزاروں کام ہیں اور میں غریب تنہا ہوں

سوئے خیام مکرر پھرے شہِ عادل — ہر اک قدم پہ تڑپتے تھے صورتِ بسمل
کبھی نہ جائیں یہاں سے یہ چاہتا تھا دل — اگر نہ جائیں تو مشکل ہے جائیں تو مشکل
غمِ فراق سے آنسو ٹپکتے جاتے تھے
پسر کی لاش کو پھر پھر کے تکتے جاتے تھے

رشید رک زباں بس بیاں کو طول ہوا — بہت بکا ہوئی مطلب ترا حصول ہوا
پسندِ خاطرِ ہم صورتِ رسولؐ ہوا — ہزار شکر ترا مرثیہ قبول ہوا
تو اے خراب کجا مدح آنجناب کجا
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا